دربار واجدی کے کچھ نامور شاعر

جناب شیخ تصدق حسین صاحب لکھنؤ

تاجدار اودھ واجد علی شاہ کے دور میں لکھنؤ میں نازک خیال سخنور آسمان کے تاروں کی طرح ہر سمت بکھرے ہوئے تھے۔ سارا شہر موزونی طبع کے جوہر دکھاتا تھا اور ہر طرف مشاعروں کی صحبتیں گرم رہا کرتی تھیں۔ بادشاہ خود بھی شاعر تھے اور شاعروں کے بڑے سرپرست بھی۔ لکھنؤ کے متعدد شعراء ان کے دربار سے وابستہ تھے جن میں برقؔ، قلقؔ، قبولؔ اور اسیرؔ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔[1] اس مضمون میں انہیں شعراء کے حالات پر کچھ روشنی ڈالی گئی ہے۔

فتح الدولہ برقؔ

محمد رضا نام، برقؔ تخلص، فتح الدولہ خطاب کاظم علی صلحؔ کے بیٹے تھے۔ حضرت امجد علی شاہ کے دور شہر یاری میں تمام فوج کے بخشی رہے سلطان عالم واجد علی شاہ کے عہد دولت میں رسالہ میمنہ شاہی کے رسالدار اور شاعری میں بادشاہ کے استاد تھے۔

(مثنوی حزن اختر)

۱۸۵۶ء میں جب شاہ اودھ تاج و تخت سے محروم ہو کر کلکتہ تشریف لے گئے تو حالانکہ برقؔ زندگی کی آخری منزل طے کر رہے تھے مگر شوق جاں نثاری میں وہ بھی شاہ معزول کے ہمرکاب کلکتہ چلے گئے۔

پھر جب جون ۱۸۵۷ء میں بادشاہ فورٹ ولیم میں زیر حراست کر دئے گئے تو وہ بادشاہ کے ہمراہ قلعہ چلے گئے۔ مگر بوجہ ضعف پیری چراغ سحری کی طرح نڈھال ہو رہے تھے۔ بادشاہ نے ہر چند کہا تم ضعیف ہو، بارگراں تم سے نہ اٹھ سکے گا مگر انہوں نے جواب دیا:۔

مرے تن میں جب تک ہے جاں بادشاہ
نہ چھوڑوں گا تم کو خدا ہے گواہ

بالآخر ۲۸ رصفر ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۷ء کو قلعہ ہی میں مرض تپ سے عالم بقا کو روانہ ہو گئے اور بقول سلطان عالم جو کہتے تھے منہ سے وہی کر گئے۔

میر احمد سوداگر کے باغ میں سپرد خاک کئے گئے۔ ان کی دائمی جدائی سے بادشاہ پر غم کا پہاڑ پھٹ پڑا مگر صبر کر کے خاموش ہو رہے اور ان کا درماہہ ان کے عیال کے لئے مقرر کر دیا۔

برقؔ کے بعد ان کی بیوہ اور بڑے بھائی مرزا آغا جان اور دوسرے بھائی مرزا جعفر نے بھی وہیں سفر آخرت اختیار کیا۔ لکھنؤ کی املاک اور امام باڑہ بہت دعا مانگ کر بنوایا تھا۔ وہ بھی گیا گزرا ہوا۔ بقول واجد علی شاہ (''بنی'') بروقت دم واپسیں ایک مطلع اور بیت پڑھ کر روانہ فردوس ہوئے۔

برقؔ جو کرنا تھا آخر بس وہی کر کر اٹھے
جان دے دی آپ کے دروازہ پہ مر کر اٹھے
سانس لینے میں ہر اک جا سے مسک جاتا ہے تن
برقؔ! بدلو جامۂ ہستی پرانا ہو گیا

شاہ نصیر الدین حیدر کے عہد شہر یاری میں برقؔ ہر مہینہ صحبت مشاعرہ بھی بڑی دھوم دھام سے منعقد کرتے تھے جس میں حسب رواج زمانہ حاضرین کی تواضع افیم سے بھی کی جاتی تھی

(۱) نوٹ: پروفیسر سید مسعود حسن رضوی صاحب فرماتے ہیں کہ واجد علی شاہ کے دربار کے ممتاز شعراء کو ''سبع سیارہ'' کہا جاتا تھا لیکن سب کے نام نہیں معلوم ہیں۔

۔کوئی چسکی گھول کر استعمال کرتا تھا، کوئی گولی بنا کر نگل لیتا تھا۔ مرزا رجب علی بیگ سرورؔ مصنف فسانۂ عجائب بھی اس بزم مشاعرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''بندہ کا ایک شفیق، جگت آشنا مرزا محمد رضا مجمع خوبی از پا تا فرق، تخلص برقؔ فی الحقیقت کلام بلاغت نظام ان کا صاعقہ خرمن ہستئ حاسد ہے۔ بھائی بند شاعروں کا بازار ان کے روبرو کاسد ہے۔ جوان خوشرو بہادر، آشنائی بامزہ، نیکخو، شب ماہ صحبت مشاعرہ بدولت خانہ مرزا معیّن ہے۔ رئیس، امیر، صغیر وکبیر، تشریف لاتے ہیں۔ اس مکان وسیع میں آدمیوں کی کثرت سے جگہ کی قلت ہوئی ہے۔ ہوا کشمکش سے بار پاتی ہے۔ جب پنکھے کی سعی اٹھاتی ہے۔ سخن سنج، بیرنج، خوش گو، نازک فہم، باریک بیں، نیک خو جمع ہوتے ہیں۔ لوگ ان سے وہ لوگوں سے حظ اٹھاتے ہیں۔ تلامذہ مرزائے ممدوح خدمت کو حاضر، کورے کورے مدار یئے، ومبدم گلوریاں ورق لگی، کتھا بسا، چونا سنگ مرمر کا متواتر قبل از غزل خوانی افیون کا چرچا ہو جاتا ہے۔ کوئی پیتا ہے کوئی کھاتا ہے۔ اگر چاہ کسی کو چائے کی ہوئی، دودھ پیتے بچے تک کو شیر چائے موجود کر دی۔ ہمیشہ صبح اس شام کے جلسہ کی ہو جاتی ہے۔ طبیعت نہیں گھبراتی ہے۔ گھر جانے والوں کو صدائے مرغ سحر ندائے اللہ اکبر آتی ہے۔

مرزا بہت پرگو شاعر تھے۔ اپنے استاد ناسخؔ کے رنگ میں کہتے تھے۔ ان کا شہر آشوب بہت مشہور ہے جو درد اور تاثیر میں ڈوبا ہوا ہے۔ ان کے شاگردوں میں میر ضامن علی جلالؔ اور میر علی اوسط رشکؔ بہت نامور ہوئے۔

استاد شہ کا نمونہ کلام یہ ھے ؎

آتا نہیں قرار دل بے قرار کو
غم میں پھنسا ہوں دام محبت سے چھوٹ کر
نکلا غبار دل سے صفائی تو ہو گئی
اچھا ہوا جو خاک میں تم نے ملا دیا

اذاں دی کعبہ میں ناقوس دیر میں پھونکا
کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا
قیس کا نام نہ لو ذکر جنوں جانے دو
دیکھ لینا مجھے تم، موسم گل آنے دو
شب فراق کا صدمہ سہا نہیں جاتا
حرام موت نہ ہوتی تو زہر کھا جاتا ؎

نوٹ: برقؔ کا دیوان مطبع شاہی میں چھپا تھا۔ مطبوعہ دیوان کی ایک نقل سید مسعود حسن رضوی صاحب کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس میں سے کچھ اشعار پیش کئے جا رہے ہیں۔

ہر سرزمیں میں شور ہے آہ بلند کا
افلاک پر سرا ہے ہماری کمند کا
ہولی میں کھیل ہے یہ مرے گلعذار کا
رنگ اڑ رہا ہے باغ میں روئے بہار کا
دور بھاگے فرشتگان عمل
میرے جرموں سے اجتناب کیا
برقؔ ہم آج نہ دیکھیں گے سحر کی صورت
دن تو مر مر کے کٹا پھر شب فرقت آئی
جور ساقی یہ اٹھا سکتے نہیں
چپکے ہم بیٹھے رہیں ساغر چلے
سامنے پھر رہی ہے آمد یار
شور محشر مری نظر میں ہے

آفتاب الدولہ اسد جنگ قلقؔ

خواجہ اسد نام قلقؔ تخلص وخواجہ حسین کے بیٹے اور لکھنؤ کے نامور اور ممتاز شاعر خواجہ وزیرؔ کے بھانجہ اور شاگرد تھے۔ تاجدار اودھ واجد علی شاہ کے خاص مصاحبوں میں ان کا شمار تھا۔ بادشاہ کی ان پر بہت نظر الطاف وکرم تھی، مرزا ولی عہد کی شادی میں شہریار نے قلقؔ پر انعام واکرام کی بارش کر دی، اور خلعت

گراں بہا بھی عطا کیا۔مگر اس وقت تک موصوف خطاب سے سرفراز نہ ہوئے تھے۔ چنانچہ موقع محل دیکھ کر اور سلطان عالم کو اپنے حال پر مہربان پا کر یہ شعر فی البدیہہ پڑھا:۔

خلعت و زر سے تو سب کچھ میں سنوارا جاؤں
ایسی شادی میں قلقؔ کہہ کے پکارا جاؤں

بادشاہ بات کی تہہ کو پہنچ گئے اور اسی وقت 'آفتاب الدولہ دلاور جنگ'' خطاب دے کر ممتاز و سربلند فرمایا،

بعد زوال سلطنت قلقؔ بادشاہ کے ہمرکاب کلکتہ بھی گئے اور انہیں کلکتہ پہنچا کر لکھنؤ واپس چلے آئے۔ یہاں نواب آصف الدولہ کے تعمیر کردہ عیش باغ کے شمالی پھاٹک سے چند قدم پر ان کا ایک باغ تھا جو قلق کا باغ کہلاتا تھا اور بہت وسیع رقبہ میں پھیلا ہوا تھا۔اسی میں ان کا رہائشی مکان بھی تھا۔قلقؔ کی تاریخ وفات کا پتہ نہیں چلتا۔ان کی ایک نظم سے صرف اتنا سراغ ملتا ہے کہ ۱۸۸۴ء تک گلزار عالم کی سیر کر رہے تھے۔اس کے بعد کسی سن میں اس دار بے مدار سے کوچ کر گئے۔انہیں کا باغ ان کی دائمی آرام گاہ قرار پایا مگر دستبرد زمانہ سے نہ اب وہ حویلی قائم ہے نہ قبر کا نشان ملتا ہے۔باغ کے وسط سے سڑک نکل گئی ہے جس سے باغ دو حصوں میں منقسم ہو گیا ہے اور اس کی آراضی پر لوگوں کے متعدد مکان بھی تعمیر ہو گئے ہیں۔مگر وہ قطعہ تا حال قلقؔ کے باغ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ایک 'مثنوی موسومہ' 'طلسم الفت' قلقؔ سے یادگار ہے جو لکھنؤ کی ٹکسالی زبان میں کہی گئی ہے۔سلطان عالم کے سفر کلکتہ کے حالات اور واقعات کو بھی انہوں نے نہایت دلچسپ انداز میں نظم کیا تھا۔ایک واسوخت اور شہر آشوب بھی ان کے افکار عالیہ کا نتیجہ تھا۔ان کے علاوہ اور کلام کا بھی بہت بڑا ذخیرہ چھوڑا تھا جو اب کمیاب بلکہ نایاب ہو رہا ہے۔ اے

قلقؔ کے کچھ اشعار:

زلف و رخ کے عاشقوں کو فکر صبح و شام کیا
رند مشرب ہیں ہمارا کفر کیا ،اسلام کیا

پیری، جگر سے داغ محبت مٹائے گی
آیا قریب وقت غروب آفتاب کا

دل اپنا کوئے زلف صنم میں ٹھٹک گیا
لو،اور سنئے خضر بھی رستہ بھٹک گیا

قلقؔ شمع لحد کا ساتھ دیتا کون رونے میں
کفن سے اپنے ماتم میں خود اپنا میں نے منھ ڈھانکا

نہ وہ خوشبو ہے گلوں میں نہ خلش خاروں میں
اک ترے آتے ہی خاک اڑ گئی پروانوں میں

قفس میں درد دل سے نالہ وفریاد کیا کیجے
پراگندہ دماغ نازک صیاد کیا کیجے

دم عرض رہائی ہنس کے وہ صیاد کہتا ہے
گرفتار آ کے جو خود ہو اسے آزاد کیا کیجے

ہمیں بھاتی نہیں یہ حجتیں شیخ و برہمن کی
پسند طبع اپنے مذہب رندانہ آتا ہے

یہ اشعار قلقؔ کے دیوان 'مظہر عشق' سے لئے گئے ہیں جس کا ایک مطبوعہ نسخہ (نول کشور پریس ۱۸۷۳ء) جناب سید مسعود حسن رضوی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

مقبول الدولہ قبولؔ

مہدی علی خاں نام ،خطاب مقبول الدولہ اور تخلص قبولؔ تھا۔ موصوف کنز الدولہ احمد علی خاں کے بیٹے ،مجد الدولہ رمضاں علی خاں کے پوتے اور ظفر الدولہ کپتان فتح علی خاں کے پر پوتے تھے۔نواب سعادت علی خاں کے عہد دولت سے اسی خاندان کے افراد افسر خزانہ کے منصب پر مامور ہوا کرتے تھے۔یہ اسامی دراصل اس خاندان کے لئے مخصوص کر دی گئی تھی۔چنانچہ سلطان عالم کے دور تاجداری میں اس جگہ پر مفتاح الدولہ محمود علی خاں فائز تھے جو قبولؔ کے سگے چچا

تھے۔ قبولؔ کا شجرۂ خاندان حسب ذیل ہے۔

ظفر الدولہ کپتان فتح علی خاں

مجد الدولہ رمضان علی خاں

مفتاح الدولہ محمود علی خاں　　کنز الدولہ احمد علی خاں

مخزن الدولہ محمود علی خاں　　مقبول الدولہ مہدی علی خاں قبولؔ

واجد علی شاہ بھی قبولؔ کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی تصنیف ''بنی'' میں لکھتے ہیں:۔

کپتان مقبول الدولہ مرزا محمد مہدی قبولؔ، ہم مشورہ راقم اٹھارہ انیس برس کا میرا سن تھا جو میرا ان کا ساتھ ہوا۔ میرے ملازم رہے۔ میرے والد حضرت امجد علی شاہ کے بھی ملازم رہے میرے عہد میں خدمت چوکی، پلنگ خاص ومصاحبت اور چھاپہ خانہ اور کتنجانہ اور کرنیل راٹن (Roton) کا توپ خانہ یہ سب ان کے پائنام تھے۔ بعد انتزاع سلطنت اودھ جب راقم قلعہ فورڈ (فورٹ) ولیم کلکتہ میں مقید تھا، یہ حاضر کلکتہ ہوئے اور جب راقم نے رہائی پائی یہ میرے پاس موجود تھے۔ حسرت زیارت عتبات عالیات میں انتقال کیا۔ یہ مطلع انہیں کا ہے۔

چھلّے کو ترے آگ سے جلوا نہیں سکتا
اے گلبدن اس واسطے گل کھا نہیں سکتا

موصوف ناسخؔ کے شاگرد اور صاحب دیوان تھے جو زیور طباعت سے بھی آراستہ ہوا تھا مگر اب عنقا ہو رہا ہے۔ لکھنؤ کی بہت سی شاہی اور امراء کی تعمیرات کی تاریخیں بھی موصوف نے نظم کی تھیں۔

طرز کلام یہ ہے:۔

حسن سے عشق کا ظہور ہوا
نور سے نار کیوں نہ پیدا ہوا

قبولؔ! ناسخؔ مرحوم کا جواب نہ تھا
خدا ہی جانے کہ مرزا دبیرؔ کیسے تھے

تدبیر الدولہ اسیرؔ

مظفر علی خاں نام، اسیرؔ تخلص اور خطاب تدبیر الدولہ مدبر الملک تھا۔ اپنی اوائل عمری کے حالات اسیرؔ نے خود قلمبند کئے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

''قصبہ امیٹھی جو آباد ہے وہی میرا وطن، وہی میرا مولد ہے۔ جب نو برس کا ہوا بخت رسا لکھنؤ میں لایا۔ میرے جنت مقام باپ میر مدد علی تھے۔ مائل تخلص تھا۔ میں جب قبلہ گاہی کی خدمت میں حاضر ہوا شفقت سے پڑھانے لگے۔ فارسی میں روشن سواد ہو گیا۔ استاد بن گیا۔ بہت سے طالب علم آنے لگے۔ آخر فکر روزی سے مکدر ہوا تو پہلے کتب خانہ میں نوکر ہوا۔ وہاں خوش نویسوں کا مجمع تھا۔ مجھ کو بھی شوق پیدا ہوا۔ رفتہ رفتہ جب شاعروں سے ملاقات ہوئی شعر کہنے کا ڈھب ہو گیا، رنگین شاعری کی ہوس ہوئی، مضامین تلاش کرنے لگا۔ دیوان جمع کر کے دیکھے، پچھلوں کے رنگین کلام یاد کئے۔ بعض بعض موقع پر عربی زبان کی ضرورت پڑی۔ فکر ہوئی اس کا بھی کچھ علاج کیجئے۔ میر سید علی نے جو علم خفی وجلی میں بھی دقاق تھے، صرف ونحو میں منتخب روزگار تھے، میرے پڑھانے میں کمال محنت کی۔ چار برس تک ان کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔ زمانے نے کچھ ایسا انقلاب کیا' فکر قوت میں اضطراب ہوا۔ پڑھنے پڑھانے کی صحبت جاتی رہی، روزی کی فکر نے پریشان کیا۔ القصہ کچہری میں نوکری کی کچھ انشا گری جانتا تھا۔ عمر کے آٹھ برس اسی شغل میں صرف ہوئے۔''

''خدا کی شان رزاقی وہاں ایک عالم مرزا کاظم علی تھے۔ ان کی خدمت میں مشرف رہا۔ حدیقۂ حکیم ثنائی پڑھا۔ علم حاصل کیا۔ وہ کامل تھے مجھے بھی کامل کر دیا۔ ترک عادت تو بہت مشکل ہے، شاعری کا بھی کچھ کچھ خیال رہا۔ جا بجا مشاعروں میں گیا۔ شاعروں سے صحبتیں رہیں۔ میں نے کبھی اس بات کا خیال بھی نہیں کیا کہ مجھ کو شاعری میں کمال ہے مگر لوگ تو تعریف کرتے ہیں۔ یہ پرچے مجھ کو بھی گزرتے ہیں۔ تاریخ کی صبح وشام سیر کی۔ لغت کی کتابیں پیش نظر رہیں۔ جب حضرت ثریا جاہ خاقان زماں محمد امجد علی شاہ زیب تخت وکلاہ ہوئے تو مدار المہام

وزیرالممالک امین الدولہ عمدۃ الملک امداد حسین خاں بہادر ذوالفقار جنگ وزیر ہوئے۔ میں بھی ان کے بندوں میں ایک صاحب نیاز بندہ تھا۔ کچھ ایسا حق نہ تھا جس پر ناز کرتا، مجھ کو محض عنایت سے میر منشی کا محکمہ دیا۔ بہت مسرت سے تین برس کٹے، کچھ حسب حال مقدرت حاصل ہوئی۔ بعدازاں گردش روزگار ہوئی۔ فلک نے ہمیں خانہ نشین کر دیا۔ تمام اقارب عدم کو روانہ ہوئے۔ میری زوجہ نے بھی انتقال کیا۔ دل کو نہایت ملال ہوا میرے سر پر اس قدر بلا پر بلا پڑی کہ دنیا سے دل اٹھ گیا۔ سخن مختصر دنیا سے دل بہت برخاستہ تھا۔ کسی بزم آراستہ سے کچھ کام نہ تھا۔ ناگاہ ایک شاہی خواص آیا اور مجھے دیوان خاص میں لے گیا وہاں حضرت سلطان عالم واجد علی شاہ اختؔر رونق افروز تھے۔ مجھ جیسے ناچیز شخص سے خلق کیا۔ امتیازی درجہ سے پاس بٹھایا۔ ایک ایسی کتاب ا؎ عنایت فرمائی جو درحقیقت گل انتخاب تھی حسب الحکم اسے نظم کیا، سن کے بہت سے خوش ہوئے۔ مجھے بھی ان کی خوشی سے مطلب تھا۔"

جب واجد علی شاہ معزول ہونے کے بعد کلکتہ کے لئے روانہ ہوئے تو اسیؔر نے لکھنؤ کی اقامت کو ترجیح دی اور نوابین رام پور کے دربار سے متوسل ہو گئے جس زمانہ میں نواب محمد سعید خاں والی رام پور لکھنؤ میں رونق افروز تھے، اسیؔر صاحب زادوں کی تعلیم پر مامور ہوئے۔ مابعد نواب یوسف علی خاں کے عہد دولت میں گھر بیٹھے وظیفہ خوار رہے۔ پھر نواب کلب علی خاں نے اسیؔر کو گرانقدر تنخواہ پر رام پور طلب کیا اور اسیؔر وہاں چلے گئے۔ واجد علی شاہ کو ان کا یہ رویہ ناگوار گزرا چنانچہ وہ اپنی کتاب "بنی" میں اسیؔر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"یہ شخص پندرہ برس کے سن میں راقم کا ہم نوالہ اور ہم پیالہ رہا اور صحبت مشاعرہ کوئی ایسی نہ ہوتی تھی جس میں اس کی اور میری ہمراہی نہ ہو خطاب فقیر ہی کا عنایت کیا ہوا ہے۔ ہر دم محبت کا دم بھرتا تھا اور خود کو عاشقوں میں گنتا تھا۔ جدا ان کے نمک خوار میرے باپ دادا کے رہے۔ میری ولی عہدی میں عاشق اور میرے زمان سلطنت میں مصاحب اور داروغہ کل زندان خانہ سرکار اودھ کا اور خلاصہ نویس تمام کچہریات سلطانی کا رہا اور یہاں تک میرے مزاج میں دخل نہیں تھا کہ شبانہ روز حاضر خدمت رہتا تھا۔ پینسٹھ (۶۵) برس کے سن میں عقد کیا۔ ۲؎ زوجہ سے نہایت مانوس رہا کرتا تھا۔ جب انتزاع سلطنت اودھ واقع ہوا میں مایوس جانب کلکتہ چلا۔ یہ از بس زوجہ کا مبتلا بہت تھا حق نمک یک قلم فراموش کر کے گھر میں جا چھپا۔ میں کلکتہ میں داخل ہوا۔ بیس برس سے مجھ سے اس سے فراق ہے۔ طرفہ تر یہ کہ اب والی رامپور کو اپنا بادشاہ بنا کر یہ سید بنی فاطمہ اس کا نمک کھاتا ہے۔"

اسیر کی تصانیف میں ایک دیوان 'گلشن تعشق' فارسی میں اور چھ دیوان 'گلستان سخن' 'ریاض مصنف'، دیوان اسیؔر وغیرہ اردو میں طبع ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک دیوان غیر مطبوعہ رہا، ایک اور دیوان منقبت میں موسومہ "گلدستہ امامت" ہے۔ ایک مثنوی مراۃ التاج بادشاہ کی فرمائش سے نظم کی تھی۔ ایک مثنوی میں نواب امین الدولہ مولوی امداد حسین خاں وزیر اعظم کے زخمی ہونے کی کیفیت لکھی ہے۔ ۳؎ ایک مثنوی 'معارج الفضائل' 'معجزات ائمہؑ' میں ہے۔ زر کامل عیار، شرح معیار الاشعار اور بہت سے رسائل علم عروض وقوافی کے فارسی اور اردو میں ہیں۔ رسالہ بیان اضافت اور رسالہ تشریح الحروف دونوں فارسی میں ہیں۔ قوائد مظفر علم نحو عربی میں ہے۔ مدت

ا؎: اسیر نے گو کتاب کا نام نہیں ظاہر کیا ہے مگر گمان غالب یہ ہے کہ یہ "تاریخ پریخانہ" تھی جس میں سلطان عالم نے فارسی میں اپنے محلات کے واقعات پری خانہ کے حالات، اور اپنے معاشقہ کے قصوں کو خود نہایت مشرح طور سے قلمبند کیا تھا۔ بعد میں ان کی فرمائش سے اسے اردو میں نظم کیا گیا اور اس کا نام "پری خانہ منظوم" رکھا گیا۔ یہ تو یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اسے کس نے نظم کیا، مگر اس میں رنگ اسیؔر کا جھلکتا ہے۔ واجد علی شاہ کی طرز سخنوری سے دور کا بھی لگاؤ نہیں ہے۔ مابعد ۱۹۱۴ء میں مرزا فدا علی خنجؔر کے فارسی تاریخ پری خانہ کا اردو نثر میں ترجمہ کر کے اس کو "محل خانہ شاہی" کے نام سے موسوم کیا تھا جو مطبع نامی لکھنؤ میں شائع ہوا۔

۲؎ یہ دوسرا عقد تھا۔

۳؎ وزیر اعظم کے زخمی ہونے کے واقعات مختصراً یہ ہیں کہ امام باڑہ، ملکہ زمانی واقع گولا گنج کے مغربی جانب چند شورہ پشتوں نے روپیہ وصول کرنے کی غرض سے نواب موصوف کی گاڑی روک کر انہیں سنگین جراحتیں پہنچائیں۔ اور قریب کی ایک دوکان میں اٹھالے گئے جب یہ خبر ریزیڈنٹ کے کانوں تک پہنچی تو وہ فوراً موقع واردات پر آموجود ہوئے۔ حالات پر قابو پالیا۔ اس واقعہ کے بعد واجد علی شاہ نے نواب علی نقی خاں کو قلمدان وزارت سپرد کر دیا۔

درازتک مرثیے اور سلام کہا کئے مگران کا دفتر غدر میں تلف ہوگیا۔
اسیرؔ نے شاعرانہ طبیعت پائی تھی اور بہت پرگو بھی تھے۔ ساٹھ ساٹھ ستر ستر شعر کی غزل کہا کرتے تھے۔ مصحفیؔ اکثر کہتے تھے کہ ایک روز یہ آخری شاگرد استادوں کی صف اول میں جگہ لے گا۔ ان کی یہ پیشین گوئی آگے چل کر آخر پوری ہوگئی۔ اسیرؔ دریائے گومتی کے اس پار ''منشی گنج'' میں رہتے تھے جہاں ان کی کئی عالیشان عمارتیں اور دوکانات وغیرہ تھیں۔ ان کے علاوہ متعدد مواضعات کے بھی مالک تھے۔ گورے چٹے، کشیدہ قامت متوسط الجثہ تھے اور چہرہ کتابی تھا۔ اکثر ٹخنوں تک کا لمبا کرتا پہنا کرتے تھے۔ لکھنؤ میں ان کے قدرداں اور شاگرد بہت تھے۔ صاحب کمال ہونے کے باوصف ان میں خودنمائی نہ تھی۔ مزاج میں انکسار بہت تھا۔ ہر اعلیٰ ادنیٰ سے بہ تواضع پیش آتے تھے۔
زندگی کی اکیاسی (۸۱) بہاریں دیکھ کر ۱۲۹۹ھ میں اسیرؔ رحلت کر گئے۔ خواجہ محمد یوسف متخلص بہ یوسفؔ نے تاریخ وفات کہی جس کا مصرع تاریخی یہ ہے۔ ہاں مصحفیؔ کی باقی تھی ایک یہ نشانی (۱۲۹۹ھ)
اولادِ ذکور میں مرحوم نے دو بیٹے غضنفر علی خاں عرف بڑے بھیا اور افضل علی خاں عرف چھوٹے بھیا اپنی یادگار چھوڑے۔ انہیں دونوں کی زندگی میں کل جائداد ختم ہوگئی۔ امیٹھی میں صرف کربلا باقی رہ گئی ہے۔
شاعری کا رنگ یہ ہے۔

کہنے کو یوں جہاں میں ہزاروں ہیں یار دوست
مشکل کے وقت ایک ہے پروردگار دوست
کس سے کہوں تلون ابنائے روزگار
دشمن یہ لاکھ بار ہوئے گھرے یار دوست
زنجیرِ تعلق مرے پاؤں سے تو نکلے
ہے فاصلہ دوگام کا ہستی سے عدم تک
آیا ہے ہم کو ہاتھ یہ مضموں چراغ سے
روشن اسی کا نام رہے جو جلائے دل
دل گنہ کرنے میں خیرہ ہوگیا
جو صغیرہ تھا کبیرہ ہوگیا
کھا گیا بے فائدہ مجھ کو فلک!
اونٹ کے منھ کا میں زیرہ ہوگیا اے
دوڑتا آتا ہے مجنوں دور سے ناقے کے ساتھ
شرم اے لیلیٰ کہاں تک! پردہ محمل اٹھا
صبح پیری ہوچکی بالیں پہ آیا آفتاب
کھول آنکھیں خواب غفلت سے سر اے غافل اٹھا
سرائے ہستی سے اے مسافر ضرور کر قصد اب عدم کا
سحر ہے نزدیک، رات ہے کم، سحر کا تارا فلک پہ چمکا
گئے کچھ ایسے نہیں پتا بھی جو کوئی ڈھونڈے کبھی نہ پائے
غبار بانگ جرس تو یکسو نشاں نہیں ایک کے قدم کا
ترک دنیا ہے جسے کہتے ہیں آزادی اسیرؔ
جو گرفتار علائق ہے یہاں دیوانہ ہے

ان کے شاگرد بہت تھے جن میں امیرؔ، کلیمؔ، افضلؔ، شوقؔ اور واسطیؔ بہت نام آور ہوئے۔ (ماخوذ از ''نیا دور'' اگست ۱۹۵۹ء)

بقیہ صفحہ ۵۴ کا

(۱۵۱)

کرتی تھی فغاں لاش پہ ناموس پیمبرؐ
تھیں نالہ کناں بانوئے ناشاد کھلے سر
غش کھا کے گریں خواہر شبیر زمیں پر
بیتاب ہوئے حال حرم دیکھ کے سرور
ایوب بھی قائل ہیں دل شاہ ہدا کے
شہؑ لاش پسر لے گئے خیمہ سے اٹھا کے

(۱۵۲)

بس توسن خامہ کی عناں روک لے فاخرؔ
کیا نظم کروں میں کہ طبیعت نہیں حاضر
افکار و تردد سے پریشان ہے خاطر
اس باطن وظاہر پہ مرا حال ہے ظاہر
اس عرض میں امیدِ اجابت ہے اسی سے
محتاج نہیں غیر کا حاجت ہے اسی سے

☆☆☆